کرشن چرتر منظوم



مہابھارت اور بھاگوت کی سنکھیپت اور دلچسپ داستان

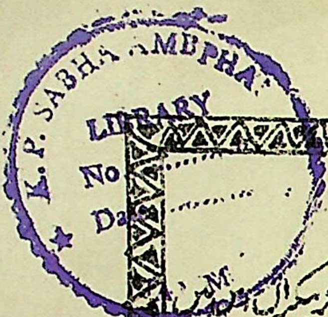
بھگتوں کے حقیقی پریم کی جیتی جاگتی تصویر اور بھگوان کی کرپا

کا دلفروز منظر بھگوت بھگتوں کیلئے بہترین کارآمد نسخہ منظوم

مصنفہ

روگناتھ جیو المتخلص بہ سفیر کاشمیری

باراول۔ تعداد ۵۰۰ ۔ مئی سنہ ۱۹۵۶ء دی نارمل پریس سرینگر قیمت ۸ر



شعاعِ نورِ ذاتِ کبریائی ہے عیاں اسمیں
غبارِ معصیت دھونے کو بحرِ بیکراں اسمیں

بہارِ پُر سناں ہے اعجازِ قلم کی گل فشانی کا
چمن ایسا ہے گا اس میں جس میں ہیں ریاحیں اسمیں

نمایاں جذبۂ الفت ہے اسمیں لطفِ بے پایاں
صداقت معرفت رازِ حقیقت کا بیاں اسمیں

کرشن چرتر منظوم

مہابھارت اور بھاگوت کی سنکھیپت

اور دلچسپ داستان

بھگتوں کے حقیقی پریم کی جیتی جاگتی تصویر اور بھگوان کی
کرپا کا دلفریب منظر بھگوت بھگتوں کے لیے بہترین کار آمد نسخہ منظوم

مُصنّفہ
روگناتھ چہر المتخلص بہ سفیر کاشمیری

بار اول - تعداد ۵۰۰۰ - مئی سنہ ۱۹۵۶ نارائن پریس سرینگر قیمت ۸ ر

میں سنکر نہایت محظوظ ہوا
یہ گویا کرشن بھگتی کی گنگا بہہ
رہی ہے

ماسٹر زندہ کول

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء

شری کرشنائے نمہ

ناظرین کرام! یہ شری کرشن چرتر منظوم کوئی نئی چیز نہیں۔ وہی پرانے مشہور آفاق، بیلی تہت ستروں کا اقتباس نہایت اختصار سے اور نئی طرز ادا سے چھوٹے چھوٹے نظموں میں بمصداق پرانی مے بمعرفت نئی بوتل میں بھگوان شری کرشن کے پریمیوں کی ضیافت طبع کے لئے ہدیہ ناظرین ہے

مہابھارت اور شریمد بھاگوت کے دلاویز اور شاندار طویل کرشن چرتر کو اپنی علمی کم بضاعتی کے زیر نظر نہایت اختصار سے نظموں میں قلمبند کرنے کی غرض و غایت بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ عام عدیم الفرصت لوگوں کو عموماً اور کرشن بھگتوں کو خصوصاً بھگوان کرشن کے جیون اور اُن کی مہما کا کم و بیش لطف اور شبھ وچار من میں پیدا ہو اور وہ ہزاروں دُنیاوی مشاغل کی مصروفیت کے ساتھ ایک دو منٹ کے لئے یہ پرمیشور اور لابھ دایک شغل بھی شامل حال رکھ کر اس جنم اور پرلوک کی بہتری کا موجب بن جائے چونکہ نیازکیش کو بازار علم و ادب میں غایت درجہ احساس کمتری ہے۔ اس صورت میں ناظرین کرام کو اس چھوٹے صحیفہ میں جو قابلیت معلوم ہو تو وہ ناظرین کی اپنی قابلیت کا ہی عکس ہوگا۔ اس کے ساتھ ہر قسم کی بیانیہ ہر طرح نقص رہ سکتی ہیں۔ پس میرے معزز بھائی اس چرتر کے نظموں کو علمی و ادبی نظریہ سے

مشاہدہ نفرما دیں۔ البتہ حقیقی پریم کے جذبات کا احساس کر کے شاعرانہ فن کے جد انقائص سے چشم پوشی فرما دیا۔ بجائیکہ نیازکیش علم و ادب اور شاعرانہ فن میں کلیتاً کم بضاعت ہے۔ عین ممکن ہے۔ کہ پریم کے اصول کے زیر نظر ان ٹوٹے پھوٹے نظموں میں بھی شائقین کو قندِ مکرر کا لطف میسر ہوگا۔ اگر ایسا ہو تو یہہ میری عین خوش قسمتی ہوگی:

شاستروں اور بلند پایہ مہاتماؤں نے بھگتی یعنی پریم کی جو مہما پرکٹ کی ہے۔ اوس سے واضح ہے کہ بھگتی گیان سے جدا نہیں۔ بلکہ گیان بھگتی کے مکمل ہونے پر سہایک ہے۔ پورن گیان ہی پریم ہے۔ اور پورن پریم ہی گیان واقع ہے۔ پرا بھگتی اور گیان ایک ہی وستو ہیں بھگوان شری کرشن چندر اپنے شری مُکھ سے گیتا میں کہتے ہیں۔ کہ:

"تیشام ستت یکتانام بھجتام پریتی پوروکم۔ ددامی بدھی یوگم تم ییہ مام اوپیانتی تے"

یعنی اس طرح جو شخص مجھ میں من تر نتر لگا کر پریم سے میرا بھجن کرتے ہیں۔ ان کو میں وہ گیان دیتا ہوں جس کے ذریعہ وہ مجھے پراپت کر سکتے ہیں۔ اس طرح جو شخص نرنتر من کو لگا کر پریم سے بھگوان کا بھجن کرتے ہیں۔ ان کے لیے بھگوان پھر کہتے ہیں کہ:۔

"شرد دھا وان لبھتے گیانم" یعنی بھگت کو گیان کی پراپتی ہوتی ہے"

پس بھگتی کے زرین اصول کے زیر نظر صرف بھگوان کرشن کے دل خوش کن چرتر کے خیال سے اور علم و ادب کے نظریہ سے جیلے نیاز مند کو یہہ

ناچیز تحفہ ناظرین قبول فرمائیں گے۔ اور اس کے مطالعہ سے اگر من میں بھگوان سری کرشن کے پریم کا بھاؤ پیدا ہو۔ تو میں اپنی کوشش میں سپھل ہوں۔ بھگوان کرے کہ میرے پریمی بھائی اس دنیا سے فانی کی ہر ایک وستو کو فانی اور آنی جانی والی خیال کر کے ایک پربھو پرم آنند روپ کے ساتھ پریم اور بھگتی کو ہی لافانی سمجھ کر بھگوان کے شرن میں جاویں۔ اور نرنتر من لگا کر اُسکے چرن پر ایک سرشار ہو کر سمرن کریں۔

پھر دیکھیں ہمارا کیسی بہار ہو

اوم شبھم

نیاز کیش

دوگنا ناتھ چمر۔ سفیر کاشمیری

پرارتھنا

کرشن پورن برہم ہے اور کرشن ہے روح حیات　　کرشن ہے صورت‌نگر نقش و نگارِ کائنات
کرشن ہے جانِ جہان و منزلِ راہِ نجات　　کرشن کی ایما پہ ہے موقوف کارِ کائنات

جسکی ذاتِ پاک بے آغاز و بے انجام ہے
ذرہ ذرہ میں اُسی ایشور کا جلوہ عام ہے

کرشن کے خاکِ کفِ پا سے ہیں روشن مہر و ماہ　　کرشن خود ہر روپ میں ہے رو نما خود جلوہ گاہ
یہ فلک یہ باد یہ برق اور یہ ابرِ سیاہ　　یہ شجر یہ شاخِ گل یہ سبزہ یہ برگِ گیاہ

باغ و صحرا بحر و بر برگ و ثمر یہ کوہسار
یہ بہار و یہ خزاں یہ صورتِ لیل و نہار

یوگ شکتی سے بنا خود زینتِ عالم تمام　　خود عمل خود علت و معلول خود اس کا نظام
جس کی مایا سے ہوا وحدت میں کثرت کا قیام　　معدنِ آنند ہے اور مخزنِ راحت مدام

دیکھتا یوگی ہے شغلِ دھیان میں اسکا ظہور
گیان سے گیانی کو ملتا ہے حقیقت کا سرور

کثرتِ عصیاں سے جب دل تنگ ہوتا ہے جہاں　　دھرم اور اخلاق ہوتا ہے زمانے سے نہاں
اپنے بھکتوں کا سہایک بن کے ایشور بر زماں　　بارہا اوتار کی صورت میں ہوتا ہے عیاں

پاپیوں کے باغِ ہستی کو مٹا کر یک قلم
دور کرتا ہے بساطِ دہر سے جور و ستم

جگت پتی کرشن کے چرنوں میں ہے میرا پرنام　　آرزو ہے من میں قائم دھیان ہو اُس کا مدام
آنکھ کی پتلی میں ہو مُرلی منوہر کا قیام　　دردِ لب شری کرشن جی ہو رات دن ہر صبح و شام

دھرماتما ہیں موہن کے دُنیا کی کچھ آسکتی[1] نہ ہو
زندگی بیکار ہے گر کرشن کی بھگتی نہ ہو

(۱) آسکتی

پریم بانگا

پہلا باب

پاپ کی کثرت سے تھا ظلمت کدہ سارا جہاں
ہر طرف سے دھرم کا مفقود تھا نام و نشاں
جبکہ پاپی تھے زمانے میں امیرِ کارواں
پاپ و انیاچار سے ہر سو تھا شورِ الاماں
ہر دلِ ناشاد محوِ نالہ و فریاد تھا   دھرم کا حامی جو تھا دنیا میں خاک افتادہ تھا

جب اندھیرے میں شعور و ہوش کھو بیٹھے تھے سب   یاس و حسرت میں پریشاں حال ہو بیٹھے تھے سب
اپنے حالِ زار اور قسمت کو رو بیٹھے تھے سب   بیکسی میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے سب
تب ہی خود بھگوان کو بھگتوں کے حسبِ مدعا
شکلِ انسانی میں بہرِ امداد آنا پڑا
کنس کا بھارت میں ہر سو جور و استبداد تھا   قتل کا غارتگری کا شور تھا بیداد تھا
محوِ خوف و رنج و غم ہر خاطرِ ناشاد تھا   ظاہرا گلزارِ بھارت آشیاں برباد تھا
ہر طرف تھا فکر و آسیب و مصیبت کا سماں
نوحہ گر تھا اس زمیں کی بیکسی پر آسماں

جس قدر راجے تھے سارے کنس کے ہمراز تھے ہمنشین و ہم نوا ہم صحبت و دمساز تھے
ہمدم و ہم مجلس ہم آہنگ ہم آواز تھے سب کے سب برباد پیے مخلوق میں ممتاز تھے

دھرم کی گردن تھی خم اور پاپ کا پرچم بلند
دھرم کے حامی تھے محبوس و اسیر قید و بند

دیوکی بسدیو بھی تھے کنس کے زیر عتاب کالے بادل میں نہاں جیسے ہو نور آفتاب
قید خانہ ہی کا دونوں کے لیے جاں کا عذاب آتش سوزاں میں جوں بے بال و پر مرغ کباب

ان کے سب معصوم بچوں کو مسلسل بے قصور
قتل کر ڈالا کہ تا باقی نہ ہو بیم فتور

اس قدر ظلم و ستم سے جب زمیں تھرا گئی ساری دنیا اس اندھیرے وقت میں گھبرا گئی
بیکسی اور بے بسی ہر چار سو جب چھا گئی پھر دیا تو ایشور کی طاقت میں جنبش آ گئی

دیوکی کے گربھ سے بھگوان نے پایا ظہور
تاکہ اپنے دست قدرت سے کریں آفات دور

پیکر انساں میں بھگوان آ گئے انجام کار باغ عالم میں خزاں مٹ کر پھر آئی بہار
دیوکی نے پا لیے درشن مٹا سب انتشار خاطر بسدیو کو حاصل ہوا صبر و قرار

موہنی صورت نے دونوں دل مسخر کر لیے
دو دل مایوس درشن سے منور کر لیے

جو نظر آتے ہوئے بھگتوں کا ہے جائے پناہ نند جی یشودھا کے گھر گوکل میں لی اس نے پناہ
بے خبر اس راز سے لیکن تھا کنس کج کلاہ تھوڑی ہی مدت میں ہی اس ظالم کو یہ ہونا تھا پتا

الغرض موہن ہوا ماں باپ کی آنکھوں سے دور
نند اور جسودھا کو قسمت سے ملا دل کا سرور

روہنی ماتا کے تھے بلرام قرۃ نظر اور یشودھا نند کے موہن بنے لخت جگر

دونوں بھائی حسن میں تھے بے نظیر و خوبتر — رات دن ہوتی تھی ناز و نعم میں انکی بسر

نند جی یشودھا کے گھر دن رات تھی بزم سرور

دودھ ماکھن مال و زر دنگی فراغت کا وفور

ہر در و دیوار سے تھا سورگ کا منظر عیاں — قبلۂ احزان تھا اک ہر چشمۂ باغ جناں (جھونپڑی)

نند جسودھا حسن دلکش دیکھکر تھے شادماں — کرشن جی کی موہنی چھورت پہ شیدا تھا جہاں

گوپیوں کا کرشن سے الفت کا یہ آغاز تھا

اور حقیقت کا اسی الفت میں مضمر راز تھا

شادماں تھا ہر کوئی گوکل کا بے حد و حساب — ہر گلی ہر گھر میں بجتا تھا دف و چنگ و رباب

ہر شجر ہر شاخ گل ہر سبزہ تھا مست شباب — ان دنوں ہر ذرہ گوکل کا رشک آفتاب

جس جگہ جسم مجازی میں ہو ایشور جلوہ گر

جھکتے ہیں اس خاک پر اندر اور برہمادک کے سر

حسن روز افزوں پہ شیدا ہر کوئی پروانہ وار — موہنی چھورت پہ من موہن کے سو جاں سے نثار

عارض گلگوں سے تھا نور خدائی آشکار — خوشنما گل سے نئی پیدا تھی گوکل میں بہار

اس گل رنگیں سے رنگیں سرزمیں گوکل کی تھی

عرش بالا سر بلندی میں جبیں گوکل کی تھی

کنس کی تحریک سے جب پوتنا آئی وہاں — شیر زہر آلودہ سے موہن کو پہونچانی زیاں

ماہر راز حقیقت کرشن نے کھولا وہاں — دونوں پستاں چوسکر پھونکا فسون جاں ستاں

پوتنا دم توڑ کر اک دم میں بیجاں ہو گئی

چھوڑ کر دنیا کو میدان فنا میں سو گئی

کھیلنا بچوں سے تھا بھگوان کو مرغوب جاں — ساتھ ان کے ہر زماں رہتے تھے گوال و گوپیاں

ہر گھڑی اس بزم میں بہتی پریم کی گنگا رواں — تھا زمیں پر یہ سماں فرحت کا رشک آسماں

بنسری کی دھن میں تھے مسحور اہلِ دل تمام
مضطرب اور گوش بر آواز تھے ہر صبح و شام

دوسرا باب

اب تو موہن بن چلے گائیں چرانے کے لئے — اپنے بچپن کے زمانے کو نبھانے کے لئے
پریم کا سندیش دنیا کو سنانے کے لئے — اپنے شیداؤں کے دل کو آزمانے کے لئے
بنسری کی راگ کا اعجاز تھا یہ آشکار
چھوٹتا تھا گوپیوں کے دل کا سب صبر و قرار
توڑ کر سنسار کے بندھن وہ یکسو تھیں تمام — بنسری کے نغمہ ہائے جانفزا سے شادکام
کرشن کے ساتھ اُنکی گذران رات دن اور صبح و شام — کرشن کی صورت پہ شیدا ورد لب اک کرشن نام
گوپیاں تھیں سنگتیاں اور کرشن جی بھگوان تھے
پریم کے قانون سے وہ ایک دل اک جان تھے
گوپیوں کی زندگی تھی وقف موہن کے لئے — تن بھی اور من بھی تجا اور اپنے حسن کے لئے
ہر گھڑی ہر پل میں ترستی تھیں وہ درشن کے لئے — شوق سے کرتی تھیں وہ تیاریاں بن کے لئے
شاق تھا اک لمحہ بھی دوری میں موہن کے بغیر
جملہ لذات جہاں سے خاطر نازک کا سیر
گوپیوں میں رادھکا دیوی کا افضل تھا مقام — جیسے تابان محفل انجم میں ہو ماہ تمام
حسن کی خوبی میں یکتائے زماں تھی لاکلام — پریم میں بھی کرشن کے سرشار رہتی تھی مدام
کرشن کا دل میں تصور کرشن ہی کا دھیان تھا
کرشن ہی آرام جان اور کرشن اُس کا پران تھا

گو ہیوں کے پریم کا ہو کس طرح اظہار حال — عقلِ انسانی ہے بےبس ہم وہاں ہیں پائمال
پریم کہتے ہیں جسے وہ آپ ہے اپنی مثال — پریم وہ جذبہ ہے جس میں جذب ہیں سب قیل و قال
شاہراہِ خاص ہے منزل پہ جانے کے لئے
بے خطر رستہ ہے یہ ایشور کو پانے کے لئے

تیسرا باب

رفتہ رفتہ کرشن جی کو جب شباب آنے لگا — اور سرکش کنس کا دل شک سے گھبرانے لگا
خواب میں ہیبت اجل اسکو نظر آنے لگا — دل ہی دل میں رات دن خوفِ اجل کھانے لگا
کر لیا قاصد روانہ موہن کو لانے کے لئے
اسکو لا کر اپنی قسمت آزمانے کے لئے
جب چلا اکرور شاہی حکم سے رتھ پر سوار — دل میں اسکو سوچ کر پیدا ہوا صبر و قرار
سوچتا تھا کرشن جی ہیں شکلِ انسان کردگار — مالکِ کل ماہرِ رازِ نہان و آشکار
خوش نصیبی ہے مجھے ہوگی قدم بوسی نصیب
ہے مبارک کام اور وقتِ سعادت ہے قریب
نند جی کے گھر میں جب اکرور پہنچا شادماں — پوچھتا تھا شام اور بلرام کا نام و نشان
اتنے میں ہی شام اور بلرام بھی آئے وہاں — پھر عقیدت شفقت اور الفت کا دریا تھا رواں
تھیں ادھر سے پیار کی باتیں ادھر عجز و نیاز
باتوں باتوں میں کھلا اکرور کے آنے کا راز
رات کاٹی صبح کو تیار سب جانے کو تھے — شوق دل سے حکمِ سلطانی بجا لانے کو تھے
اہلِ برندابن کو بھی ہمراہ لے جانے کو تھے — اپنے کرتب سبکو متھرا جا کے دکھلانے کو تھے

جبکہ چلنا تھا چلے اکرور تھا رتھ پر کھڑا
شام جی بلرام جی کو ساتھ لیکر چل پڑا

گوپیوں کا تھا غم افزا اس زمان دردِ فراق   کرشن کی ہجرت تھی اُن کے خاطرِ نازک پہ شاق
خاک میں غلطاں و پیچاں تھیں تہِ نیلی رواق   گریہ و زاری سے تھی شرم و حیا بالائے طاق
اشک کے موتی گلِ عارض پہ ڈھلتے اس طرح
برگِ گل پر قطرۂ شبنم چمکتے جس طرح

کرشن سے وہ دیویاں کہتی تھیں اپنا داستاں   موم تھے پتھر بھی سنکر گریہ و آہ و فغاں
اے شفیقِ دل نواز اے دلربا ای جانِ جاں   اے سراپا ناز باغِ حسن کے سروِ رواں
جاتے ہو کس باغ کی زینت بڑھانے کے لیے
چھوڑتے ہو ہمکو بارِ غم اُٹھانے کے لیے

کیا ہمارے دل کا اب سوزِ دروں ناکام ہے   کیا ہماری الفت و شفقت کا یہ انجام ہے
پریم کے اظہار کا کیا ہمکو یہ انعام ہے   کیا غمِ فرقت میں اب رونا ہمارا کام ہے
کرشن کو واپس کرے اکرور سنگیں دل نہ بن
دُور کر ہم سب کے دل سے رنج و آلام و محن

چشمِ عبرت بیں سے جب اکرور نے دیکھا یہ حال   گوپیوں کا جذبۂ اُلفت جدائی کا ملال
کرشن جی سے یوں کہا اکرور نے خوش خصال   آپ ہی ہیں گوپیوں کی دلربا کس کی ہے مجال
ان کی ڈھارس باندھکر الفت سے رخصت کیجیے
دیکھکر سچی لگن دادِ محبت دیجیے

گوپیوں کو کرشن اور بلرام نے سمجھا دیا   رازِ اِس دُنیائے نافرجام کا بتلا دیا
پھر کبھی فرصت میں مل پائیں گے یہ وعدہ دیا   ہر زماں بھگوان کی ہو یاد، یہ فرما دیا
کرشن جی بلرام اکرور اب روانہ ہو گئے
گوپیوں کے ہوش اب بیہوشی و رو میں کھو گئے

چوتھا باب

اہلِ متھرا کے دلوں میں کرشن کی تھی انتظار — راز تھی تھا کہ کنس بدگماں تھا تاجدار
وارد متھرا ہوئے جب رام کرشن آئی بہار — مرد و زن تھے مضطرب سب بہر درشن بیقرار
کرشن اور بلرام بازاروں میں جب آنے لگے
لوگ فرطِ شوق سے پھول ان پہ برسانے لگے

کنس کے دھوبی کی تھی بھگوان کے ہاتھوں قضا — چھین کر پوشاک شاہی زیبِ تن خود کر لیا
چلتے چلتے پشتِ خم کبجا کا سیدھا کر دیا — اس کو بیری کے عوض حسن و جوانی کی عطا
دھنش کو توڑا جو تھا مضبوط مشہورِ جہاں
کنس کے تفویض تھا بھگوان شنکر کا نشان

ایک ہی دن میں کیے بھگوان نے ختم اتنے کام — باغ میں شب کو کیے تھا استراحت شاد کام
صبح کو اب کنسِ بدانجام کا تھا انتظام — اپنے پہلوانوں کا ملنا تھا اسے اب انتقام
پہلوانوں کا اکھاڑا گرم تھا اور منتظر
کنس بد اندیش اپنے تخت زریں پر جلوہ گر

قصرِ شاہی کی طرف موہن روانہ ہو گیا — ساتھی اس کے ساتھ تھے اور رام بھی ہمراہ تھا
پہلی ڈیوڑھی پر ہی اک بدمست ہاتھی تھا کھڑا — راستہ جانے کا تھا جو وہ رستہ تھا گھرا
شام اور بلرام کا معجزانہ قدرت تھا یہی
ایک حملہ میں ہی ہاتھی گر پڑا اور جان دی

تھے اکھاڑے میں تماشائی سبھی خاص و عوام — شام اور بلرام کی صورت سے تھے وہ شاد کام
نازک اندا موں کو تھا چانور اور مشٹک سے کام — اونچے مسند پر تھا زیبِ تخت کنس بد لگام

جب ہوئے نزدیک آ کر دونوں بہادر زوردار
شام اور بلرام کے اک وار سے دونوں تھے پار

ہاتھ میں بھگوان نے لی جلد تر اک تیغ تیز — کنس کو اپنی جگہ سے اب نہ تھی راہِ گریز
اک لگن سے ہی گرایا تاج کنسِ بدتمیز — اور کیا اک وار سے اُس کو جہاں سے رستخیز

کنسِ بدخو ہو چکا اب راہیِ ملکِ عدم
دھرم کے حامی تھے شاد اور پاپیوں کا سر تھا خم

خاک و خوں میں مل گیا تاجِ سرِ فرماں روا — روح شہزادوں کی جس کے دم سے ہوتی تھی فنا
سارے منصوبے ملے مٹی میں جب آئی قضا — دم کے دم میں ہو چکی معمور متھرا کی فضا

ایسے ظالم کی ہوئی اس طرح سے مٹی خراب
اک گنہ آلودہ کی جس طرح سے روزِ حساب

دیوکی بسدیو سے مل کر یہ دونوں نامدار — آ گیا ماں باپ کی خاطر میں تسکین و قرار
لے لیا آغوش میں دونوں کو بے صبر و قرار — ہر طرف سے اب خزاں مٹ کر نئی آئی بہار

کرشن کی ماتا تھی یہ اور کرشن کا پتا یہ تھا
کنس کا قیدی پلا، میں شاہ با مجاز تھا

پانچواں باب

اب سدامن کی کہانی کو کریں گے ہم رقم — جس کے سننے سے مٹینگے پاپ اور رنج و الم
پریم ہو دل میں فزوں اور شادی و فرحت بہم — کچھ سمجھ آئے گی بھگتوں کی فضیلت بیش و کم

چھوڑ کر آشا سبھی دنیائے ناہنجار کی
کس طرح سچے بھگت نے اپنی کشتی پار کی

عالمِ طفلی میں جب تحصیلِ وِدیا کیلئے — کرشن کے اُستاد ساندیپن مقرر ہو گئے
کرشن کے ہم مکتب اک ساتھی سُداماں جی بھی تھے — دونوں منظورِ نظر اُستاد کے دل کے ہوئے

ایک ہی چشمہ سے دونوں آب جو[۱] تھے فیض یاب
ایک منبع سے ہی دونوں کام جو تھے کامیاب

۱ پانی کا متلاشی

خدمتِ اُستاد میں دونو کمربستہ مُدام — صادقِ دل سے تابعِ فرماں تھے وہ مثلِ غلام
دونوں سے اِن کا گرو محظوظ تھا اور شاد کام — اِن خوش اطواروں کو تھی تعلیم حاصل صبح و شام

لکڑیاں لانے کو اِک دن بَن[۲] گئے دونوں رواں
دونوں بھوکے تھے مگر دِن بھر رہے بے آب و ناں

۲ جنگل

ساتھ کچھ چنے سداماں کو تھے کھانے کے لئے — کھا رہا تھا وہ ساتھی سے چھپانے کے لئے
کرشن جی نے اُس سے بولا آزمانے کے لئے — کھاتے کیا ہو ہمکو بھی کچھ دو چبانے کے لئے

شومِ بختی سے سداماں نے دیا کورا جواب
یہ سداماں کی نحوست کا تھا آغازِ حساب

یہ مُسلّم ہے کہ اِنساں کام میں مختار ہے — فہم و دانش میں ہر اک جاندار کا سردار ہے
اپنے اعمالوں کی خود تعمیر کا مختار ہے — اس لئے انسان خود اپنا دشمن اپنا یار ہے

خود اجر پاتا ہے اپنے ہی کئے کا ہر بشر
خود فراموشی میں رکھتا ہے وہ غیروں پر نظر

طمعِ نفسانی سے گم ہوتا ہے اخلاق و شعور — طمعِ نفسانی سے دو دل ہوتے ہیں باہم نفور
طمعِ نفسانی سے آتا ہے محبت میں فتور — طمعِ نفسانی سداماں کو ہوا وجہِ قصور

بخشدیتا اک مٹھی چنے کی گر بھگوان کو
اَوج[۳] پر پہونچاتا اپنے بخت و اور شان کو

۳ اَوج : یعنی بلندی

کرشن نے لایا نہ کچھ حرفِ شکایت بر زباں — جس طرح پہلے تھا اب بھی دوست پر تھا مہرباں

لکڑیاں لیکر ہوئے جنگل سے اب گھر کو رواں   اور رہے تعلیم میں مشغول دونوں شادماں

غرض مدت تک ایسا ہی رہا دونوں کا حال

پا گئے وہ یا ہمیں دونوں رتبۂ اوج و کمال

بن گئے بھگوان کرشن اب دوارکا کے تاجدار   اور سداماں بخت بد سے تھا مصائب کا شکار

حاکم قدرت تھا وہ ، یہ بدنصیبوں میں شمار   رازق کونین وہ ، یہ فاقہ مستی سے نزار   نزار: کمزور

تابع فرماں اُس کے دولت اور عیش تمام

بیکسی اور خستہ حالی سے یہ نالاں صبح و شام

اپنے اعمالوں کا پھل انساں کو ملتا ہے مدام   کوئی مفلس اور کوئی آسودگی سے شادکام

یہ اٹل قانون قدرت ہے نہیں اس میں کلام   البتہ تجربہ میں تھا یہ کے خاص و عام

بھوگ کرموں کا ہر اک ذی روح کی تقدیر ہے

گر نہ تقدیر ہو ناکام ہر تدبیر ہے

دوارکا تھی بیگماں دنیا میں فخر روزگار   قصر عالی شاں فلک پیما قطار اندر قطار

چار سو نہریں رواں رشک جناں باغ و بہار   محو گل گشت انبساط دل سے ہر سو گلعذار

موت سے ناآشنا بیماریوں سے بے خبر

لوگ سب آفات و آسیب جہاں سے بے خطر

کرشن کا تھا دوارکا میں شان و شوکت سے قیام   گرم تھی بزم سرور و شادمانی صبح و شام

رانیوں بچوں میں تھے محظوظ دل محو کلام   یاد آتا تھا کبھی دل میں سداماں کا بھی نام

اک کرشمہ جسکی صنعت کا ہے یہ ساری کائنات

اُس سے پوشیدہ ہے کیا پوشیدنی ہے کون بات

تھا سُداماں اپنے گھر میں بستۂ زنجیرِ غم — اُس کی رانی تھی سوشیلا پیکرِ رنج و الم
تھا نہ باقی اُس کے گھر میں کچھ اثاثہ بیش و کم — جس پہ گذران انکی ہوتی کچھ معاش آتا بہم
فاقہ مستی سے فقط دونوں کی ہوتی تھی بسر
تھا سُداماں یاد میں بھگواں کے شام و سحر

تنگ جب آئی سوشیلا یوں سُداماں سے کہا — غربت و افلاس کی اب ہو چکی ہے انتہا
مُدتوں سے رنج و کلفت میں ہیں دونوں مبتلا — کون ہے جو اب ہمیں اِس قیدِ غم سے دے چھڑا
دین بندھو کرشن جی تیرا لڑکپن کا ہے یار
جا کے اُس کے پاس ظاہر کر تو اپنا حالِ زار

جب سُداماں نے سُنیں باتیں سوشیلا کی تمام — سُن کے وہ بولا میں مفلس ہوں وہ ہیں ذی احتشام
یہ کہاوت ہے کہ دستِ نارسا رفعت میں بام — سعی لا حاصل ہے ذرہ مہر سے ہو ہمکلام
گرچہ میری اُن کی سیوا میں رسائی ہے محال
ساتھ کچھ سوغات لینے کا بھی رکھنا ہے خیال

اب سوشیلا جی کو تھی سوغات کی بے حد تلاش — فکرِ سوغات اِک طرف اور اک طرف فکرِ معاش
تنگدستی کس قدر ہے بہرِ انسان دلخراش — اِس عدو رنگ آسماں سے جانِ من ہشیار باش
ہو گئی مقصد میں مشکل سے سوشیلا کامیاب
چاولوں کی ایک دو مُٹھی کو کر کے دستیاب

دِل سُداماں کا تھا شوق اور شرم سے اب ہمکنار — شوق درشن بھی مگر ذلت سے جانے میں بھی عار
دو تضادوں سے دماغ اُس کا تھا محوِ انتشار — دو خیالوں کے تصادُم سے دل اُس کا تھا نزار
سوچتا تھا میں ہوا مفلس کرشن ہیں شاہوں کے شاہ
سامنے اُن کے میں کیسے جاؤں با حالِ تباہ

اب سوشیلا جی نے سمجھایا اُسے ای جانِ جاں — کرشن جی کو کیوں سمجھتے ہو فقط شاہِ شہاں

وہ ہیں ایشور، وہ ہیں ہر فردِ بشر کے رازداں — وہ محیطِ جزو و کل ہیں وہ نہاں ہیں وہ عیاں

اُن کے درشن سے مٹ جائیں گے رنج و غم تمام
ملتے ہی ہو جاؤ گے تسکینِ دل سے شادکام

کرشن کی صورت سداماں کو تھی دل میں جاگزیں — موہنی مورت تھی اُس کے خانۂ دل میں مکیں
یاد میں بھگوان کے دلشاد تھا اپنے تئیں — تھی شکن سے پاک صبر و شکر میں اُس کی جبیں

وردِ لب ایشور کا نام اور گیان سے مسرور تھا
جملہ لذاتِ جہاں کی حد سے کوسوں دور تھا

ولولہ تھا اور تڑپ تھی کرشن درشن کی اسے — صدقِ نیت سے لگن تھی اپنے محسن کی اسے
خواہشوں سے پاک چاہت تھی نہ کچھ دھن کی اسے — کھانے پینے کی ہوس پروا نہ کچھ تن کی اسے

پاکباز اور صاف دل رنج و کدورت سے نفور
اور پربھو کے دھیان میں ہی تھا اسے دل کا سرور

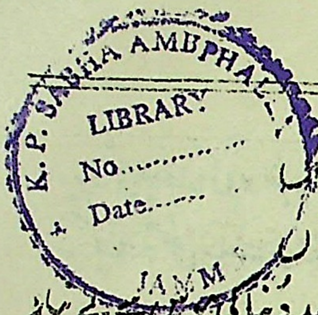
دوارکا کا اب سداماں کو اٹھا غالب خیال — چل پڑا وہ دیکھ کر اچھا شگون اور نیک فال
دھرم کی مورت سوشیلا مفلسی سے تھی نڈھال — کہتی تھی سوامی کو اچھا جاؤ اب روشن ہے حال

دین بندھو کو اگر تجھ پر دیا آ جائے گی
فرحت و آسودگی یکدم بہم ہو جائے گی

دھیان میں بھگوان کے تھا اب سداماں گامزن — کرتی اور دھوتی پھٹی میلی کچیلی زیبِ تن
چھوڑ کر آشا جگت کی کرشن چرنوں میں مگن — توڑ کر بندھن سبھی جوڑا فقط ایشور سے من

چاولوں کی پوٹلی کو تھام کر چلتا رہا
محوِ یکسوئی جہاں سے بے خبر چلتا رہا

منزلِ مقصد پہ پہنچا دوارکا آئی نظر — سامنے آنکھوں کے تھا فردوسِ رضواں جلوہ گر
کرشن جی کو تھی سداماں جی کے آنے کی خبر — حال سے واقف تھے وہ گو راز تھا پوشیدہ تر



خود بدولت پیشوائی کو ہوئے چل کر رواں
اور سداماں کو لیا آغوش میں بے اِن و آں

کرشن کے آگے سداماں تھا بصد عجز و نیاز — مست شوقِ دید دنیا کی ہر شے سے بے نیاز
جیسے بینائی سے اندھے کی ہوں آنکھیں سرفراز — شاد تھا ہو کر میسر وصلِ یارِ دل نواز

جیسے ہو کنگال کوئی مالکِ انبارِ زر
تھا سداماں کو متاعِ زندگی پیشِ نظر

ہو گیا محلات میں داخل سداماں شادماں — میزباں سری کرشن جی تھے اور سداماں میہماں
اک پلنگِ زر پہ بٹھلایا گیا با عز و شاں — اتنی عزت کا سداماں کو نہ تھا وہم و گماں

رکمنی اور کرشن جی نے دھو لیے مہماں کے پیر
اور پھر اُس کو کیا مرغوبِ دل بھوجن سے سیر

سوچ تھا دل میں سداماں کو کہ میں ہوں اک گدا — کچھ نہ کچھ بھگوان کو پہچان میں دھوکہ ہوا
میں فقیرِ بے نوا ہوں وہ ہیں ذاتِ کبریا — عزت افزائی مری کس طرح رکھتے ہیں روا

کرشن جی انتر یامی، تب گویا سداماں سے ہوئے
مدتوں کے بعد پیارے آپ کے درشن ہوئے

یاد ہے پیارے اکٹھے کس طرح پڑھتے تھے ہم — ملکے سادھیپن کی سیوا پیار سے کرتے تھے ہم
مشغلہ پڑھنے کا بھی اپنا تھا کبھی پھرتے تھے ہم — چڑھتے تھے گاہے درختوں پر کبھی گرتے تھے ہم

تابعِ حکمِ گرو لاتے تھے بن سے لکڑیاں
اور کبھی چنے چبا جاتے تھے تم مجھ سے نہاں

حال کچھ اب بال بچوں کا کہیں تم دوستا — تم گزراں کس طرح کرتے ہو ہمکو دو بتا
گھر سے کچھ سوغات بھی میرے لیے لائے ہو کیا — ہاں دکھا دو مجھکو اس سوغات کی ہے اشتہا

شرم سے غرقِ ندامت تھا سداماں سر بسر
تحفۂ ناچیز تھا اپنا اُسے زیرِ نظر

پوٹلی چاول کی پوشیدہ بندھی دھوتی میں تھی — پریم سے بھگوان نے ہاتھوں سے اپنے کھول دی
ایک دو مٹھی پیاپے اپنے منہ میں ڈال دی — لطف سے کھانے لگے پر سامنے تھی رکھمی

ہاتھ روکا اور یوں کہنے لگی بھگوان سے
بخشتے جاتے ہو کیوں سنسار کی ثروت اسے

رکھمنی دیوی سے تب بھگوان نے ہنسکر کہا — مجھکو بے حد لطف بہ چاول چبانے سے ملا
پریم مارگ ہے الوکھا اس سے ہونا آشنا — مل گیا امرت سے بھی بڑھکر مجھے اس میں مزا

جو زمیں پر تھے گرے دانے وہ سب ڈھونڈ لیے
اور مزا لے لے کے تب بھگوان سارے کھا لیے

چھٹا باب

آرزو درشن کی جب پوری سداماں کو ہوئی — خانۂ دل ہو چکا فکر و تردد سے تہی
بال بچوں کی یکایک اسکو تب یاد آ گئی — مفلسی کو یاد دلا کر لب پہ فریاد آ گئی

استدعا بھگوان سے رخصت کی اب کرنے لگا
گھر کی حالت سوچ کر آہوں کا دم بھرنے لگا

گھر سے جس مقصد سے آیا تھا رکھا دل میں نہاں — مطلقاً کھولی نہ مطلب کے لیے اس نے زباں
گرچہ اس کے گھر میں مدت سے تھا عنقا آب و ناں — دل سے راضی تھا رضا پر گرچہ چنیں ہو یا چناں

وہ بھگت تھا اس کو تھی بھگوان سے سچی لگن
مانگنا مرنا برابر جانتا تھا دُسن کا ہمن

ہنسکر بھگواں نے رخصت سداماں کو کیا — پا کے رخصت پھر سداماں گھر روانہ ہو گیا
سوچتا تھا دل میں خالی ہاتھ اب جاؤنگا کیا — منتظر ہو گی سوشیلا اُس کو بتلاؤں گا کیا

پھر بھی خوشدل تھا فقط مرضی تھی بھگوان کی
نیک بختی اس میں مضمر ہے ہر اک انسان کی

بادلِ ناشاد جب وہ آ گیا گھر کے قریب — کچھ نشاں گھر کا نہ تھا موجود حالت تھی عجیب
ہر طرف نگراں تھا آنکھیں پھاڑ کر بیکس غریب — جُوں تلاشِ بوستاں میں مضطرب ہو عندلیب

دل میں کہتا تھا سوشیلا کا کروں کیسے تلاش
ہو گئی مجھ سے جُدا افسوس وہ ہمر معاش

گھر سوشیلا ہو گئی مفرور گھر کو کیا ہوا — قصرِ عالی شان یہ کس کا دیکھ پڑتا ہے کھڑا
اپنے آنکھوں نے ہی مجھکو آج کیوں دھوکا دیا — ہر طرف سے ہے مرے مسکن کا منظر ہی نیا

کچھ دنوں میں ہی دگرگوں حالتِ تقدیر ہے
خواب کا منظر تھا وہ یہ خواب کی تعبیر ہے

جب سُداماں تھا غریقِ بحرِ آلام و محن — سامنے اُس کے ہوئی ظاہر سوشیلا خندہ زن
گر پڑی پیروں پہ اور کہنے لگی اے جانِ من — خوش نصیبی میں مُبدل ہو چکا حالِ کہن

کیجئے اب دور دل سے فکر و رنج و غم تمام
اپنے محلوں میں قدم رکھئے گا اب با احتشام

کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتی سداماں کو یہ بات — اور سوشیلا کی طرف دُھن سے تھی کچھ التفات
فی الحقیقت تھا سُداماں اک بھگت اور نیک ذات — پاکبازی میں سوشیلا بھی تھی فخرِ کائنات

ہر ذرا شک سے سوشیلا کی طرف نگراں تھا وہ
حالتِ موجودہ اُس کی دیکھ کر حیراں تھا وہ

پھر بشاشت سے سوشیلا نے کہا اے جانِ جاں — در حقیقت ہو گئے بھگوان ہم پہ مہرباں

آپ کے خاطر ہوئی اک پل میں یہ مایا عیاں — قصرِ عالیشاں فلک پیما و باغِ دلستاں

مال و دولت کی وفوری نوکر و چاکر تمام
منظرِ رضواں بنا یہ آپ کا جائے قیام

سانحہ اپنا اب سوشیلا نے سُداماں کو لب — اور نئے محلات میں وہ محوِ نظارہ ہوا

ہر در و دیوار ہر شے کی تھی زینت دل رُبا — ہر قدم پر اُس کو جنت کا تھا منظر رونما

دست بستہ نوکر و چاکر غلامی کے لئے
آ گئے سب اپنے آقا کی سلامی کے لئے

سوچتا تھا خواب کا نقشہ کہ بیداری ہے یہ — مُفلسی میں مال و ثروت کی عملداری ہے یہ

بیکسی کل تھی نظر میں آج سرداری ہے یہ — کرشن کے اعجازِ قدرت کی فسوں کاری ہے یہ

اک نگاہِ لطف سے بھگواں کے یہ سب ہوا
اُس پربھو کو بھول کر اِس مال و زر میں لطف کیا

اب سُداماں کو تھا احساسِ حقیقت کا وفور — گیان اور ویراگ کا پیدا ہوا آنکھوں میں نور

اب پربھو مایا نظر آنے لگی نزدیک و دُور — کرشن کی بھگتی نے پایا شبشہ دل میں ظہور

ہو گیا محسوس دولت پر نہیں سُکھ کا مدار
دائمی سُکھ کا ہے ایشور کی شرن پر انحصار

ٹیپ — ایک وستو ست ہے اور ست ہے فقط ایشور کی ذات — ذات سے پیدا ہوتے نام و صفات و کائنات

نام و صورت کی یہ مایا ہے سراسر بے ثبات — کب است پر بھو متا ہے ماہرِ راہِ نجات

پریم میں بھگوان کے سرشار مایا سے نفور
پریم سے ہے گیان حاصل گیان میں لطف و سرور

ساتواں باب

پانڈووں کے سر پہ جب پہونچا مصیبت کا سماں — نوحہ گر تھا اُن کے حالِ بیکسی پہ آسماں
کھو دئے تاج و تخت عقل و ہوش و عزت کا نشاں — سرنگوں اجلاس دریودھن میں تھے بے آب و تاں

دروپدی دیوی جو حسن و عقل میں تھی بے نظیر
حکم دریودھن سے تھی دستِ دوشاسنؔ میں اسیر

دوشاسن: دریودھن کا چھوٹا بھائی

کھولتا جاتا دوشاسن دروپدی کا تھا لباس — اور برہنہ کرنے کو تیار بے خوف و ہراس
اہلِ محفل جس قدر تھے مہر بلب آس پاس — چشمِ حیرت بیں سے محوِ دید پانڈو تھے اداس

بے بسی میں دروپدی تھی رنج و غم سے پائمال
چھوڑ کر سب آس من میں کرشن کا باندھا خیال

دوارکا ناتھ اے شفیق و مونس غمخوارگاں — اے انیسِ بیکساں اے چارۂ بیچارگاں
گمرہوں کے رہنما اے یارِ خاک افتادگاں — داورِ ارض و سما اے مالکِ کون و مکاں

ظالموں کے چنگل میں دلتنگ و بیکس ہوں پھنسی
میرے حالِ زار پر کورو اُڑاتے ہیں ہنسی

تو معاون بیکسوں کا عاجزوں کا غمگسار — تو ہی تو ہے جس پہ میرے آبرو کا ہے مدار
تو محافظ بن میرا اے صاحبِ ذی اقتدار — میں شرن آئی ہوں بے آرام بے صبر و قرار

تب دیا لو کرشن کی شکتی نے یوں پایا ظہور
دروپدی کے تن پہ پیراہن ہوئے بے حد و فور

کھینچتے کھینچتے دوشاسن کی ہوئی طاقت تمام — گو ہوس باقی رہی پر سعی باطل ناتمام
قلزمِ حیرت میں ڈوبے اہلِ محفل لا کلام — تھک کے جا بیٹھا دوشاسن دروپدی بھی شاد کام

اس طرح اعجاز قدرت کرشن جی کا تھا عیاں
بھگت وتسل کرشن کی توصیف کیا کچھ ہو بیاں

بھگوان کرشن کے چرنوں میں

کرشن تو ہی منبع فضل و سخا و جود ہے
تو ہی معبودِ جہاں تو منزلِ مقصود ہے
تیرے ذکرِ خیر سے رنج و الم مفقود ہے
تیری بھگتی میں ہی مضمر سود اور بہبود ہے

نام رٹنے سے ہی کٹتے ہیں غم و رنج و ملال
دھیان سے پاتا ہے انساں رتبہ اوج کمال

کس کے پیروں پر پڑوں میں کون ہے تیرے سوا
مخلصی کیسے ہو میری گر نہ ہو تیری کرپا
جیو ہیں مایا کے پھندے میں اسیر و مبتلا
کوندتی ہیں بجلیاں غفلت کی طوفاں ہے بپا

دکھ بھری دنیا سے عاجز ہوں تو ہے عاجز نواز
تو دیا ساگر ہے کر اپنی دیا سے سرفراز

تو ہے مایا سے پرے مایا ہیں تو ہی جلوہ گر
تو تماشا تو تماشائی ہے تو ذوق نظر
عجز سے ونتی پربھو میری ہے ہر شام و سحر
کیجئے اب مجھکو مایا کے اثر سے بے خطر

نام و شہرت جاہ و حشمت کی نہیں چاہت مجھے
رات دن بس آپ کی بھگتی میں راحت ہے مجھے

چھوڑ کر امیدِ احبابِ جہاں نا مہرباں
آپڑا در پر ترے اے محرمِ دردِ نہاں
کھل گیا عقدہ مری اس دل کی ہوسناکی کا یاں
رازِ الفت ہمنشینوں کا ہوا سارا عیاں

منظرِ عالم مری آنکھوں میں بے توقیر ہے
جلوہ گر چشمِ تصور میں تری تصویر ہے

ہاتھ کیا خاک آگیا آخر خیالِ خام سے　　خواہشِ جاہ و حشم سے عزت و اکرام سے
لذتِ بزمِ طرب افزا سے مئے سے جام سے　　صحبتِ ناحق شناس اصحابِ بد انجام سے
خودسری سے سستی و نخوت سے کچھ نہیں ہے آہ
کر چکا ہوں اپنی ہستی اپنے ہاتھوں سے تباہ

خود فراموشی میں خودداری کو خود گم کر چلا　　زندگی میں دستِ حسرت ملتے ملتے مر چلا
چند روزہ زندگی برباد غفلت کر چلا　　خودکشی کا بارِ عصیاں اپنے سر پہ دھر چلا
یوں ہوئی لہو و لعب میں رائگاں عمرِ عزیز
بھول کر انسانیت کی شانِ ادراک و تمیز

مائلِ دنیا ہے کیوں تو اے دلِ دنیا پرست　　بھول کر انجام کار اپنا ہوا بدحال و مست
ہر طرف ہے موج زن بحرِ فنا بالا و پست　　کھیل بچوں کی ہے شادی و غمی فتح و شکست
ہوش پیدا کر حباب آسا ہے ساری کائنات
ہے چلا چل کی رواں بادِ فنا ہر شش جہات

ایک صورت پر نہیں ہے گردشِ لیل و نہار　　ایک حالت پر نہیں ہے دہر کو دم بھر قرار
اس مجازی نام و صورت پر نہیں کچھ اعتبار　　ہے کہیں فصلِ خزاں تو ہے کہیں فصلِ بہار
ہے دلِ شاداں کہیں اور دیدۂ پرنم کہیں
محفلِ شادی کہیں اور محفلِ ماتم کہیں

منظرِ خوابِ شبینہ ہے گلستانِ جہاں　　پل میں مثلِ برق ہو جاتا ہے آنکھوں سے نہاں
گامزن ہیں روز و شب سوئے عدم پیر و جواں　　راز کھل جاتا ہے جب آتی ہے یادِ رفتگاں
حیف اس دنیائے فانی پر فدا ہو جائیں ہم
بندِ غفلت میں بندھے سولی پہ یوں سو جائیں ہم

اس عروسِ دہر کا اے دل تو شیدائی نہ بن　　کھو کے عقل و ہوش اے مدہوش سودائی نہ بن
واقفِ اسرار بن تصویرِ رسوائی نہ بن　　التجا ہے باز آ دستِ تمنائی نہ بن

اب نہ اے خوابیدہ قسمت محوِ خوابِ ناز رہ
کچھ رہا ہے آسماں کچھ گوش بر آواز رہ

شاد ہے دل میں سفیرِ اب کرشن کی بھگتی ملی
جو ٹھی تمنا اور غم و افکار سے مکتی ملی

دکھ بھرے سنسار کی من کو نرا سکتی ملی
راست باطل کی تمیز و ہوش کی شکتی ملی

دھیان ہے نقش جگر مرلی منوہر کا مجھے
وردِ لب ہے نام اک گوپال گردھر کا مجھے

پہلا بھجن

اے کرشن نہ آئے گا بھلا کون
ہاں تیرے سوا دل میں سمائیگا بھلا کون

بگڑی ہوئی حالت ہے بنائیگا بھلا کون
تیری ہی پرتگیا ہے نبھائیگا بھلا کون

تیرے سوا بھارت کا چمن وقفِ خزاں ہے
ہر طایرِ گلزار ہما محوِ فغاں ہے

آجا کہ تیری صورتِ زیبا پہ ہوں مفتوں
اے مالکِ دل ہو چکا فرقت میں جگر خوں

مفقود ہے آرام دل و جاں ہیں غم افزوں
شیدا ہیں ترے مضطرب حالت ہے دگرگوں

اک بار دکھا بانکی ادا بنسری والے
رنج و غم و کلفت سے چھڑا بنسری والے

دولت کی نہ چاہت ہے نہ راحت کی تمنا دُنیا کے جھگڑوں کی نہ عقبےٰ کی ہے پروا
جینے کی ہوس موت کا خدشہ نہیں اصلا نا محرمِ اُلفت ہوں محبت ہوں سراپا

اِک داغ ہے مدت سے ترے ہجر کا دل پر
مِل آن کے اے ماہرِ اسرار کرم کر

ہرنلاد کے خاطر ہوئے مشہور بیک آن اِک بھگت کی رکھشا کے لئے آ گئے بھگوان
سنسار میں غُل مچ گیا ظالم کی جو لی جان معصوم کی بھگتی سے سب بھگتوں کی بڑی شان

حیراں ہوں یہاں اب کوئی ہرنلاد نہیں ہے
اور پریم کے دھن سے کوئی دلشاد نہیں ہے

معصوم بھگت دُرو ہوا ماں باپ سے نومید چھوڑی جگت آشا رکھی بھگوان کی امید
بھگوان نے بخشی اِسے وہ دولت جاوید تاباں ہے فلک پر وہ مثالِ مہ و خورشید

بھگوان نے درشن دئے خود صورت انسان
اک پریم کے جذبہ میں یہ تاثیر ہے پنہاں

دُرباسا کے آنے سے ہوئی دروپدی حیران بو جن نہ تھا موجود ہوئی دل میں ہراساں
تب محو ہوئی دھیان میں بھگوان کے نادان من سے ہی شرن ہو گئی با حال پریشان

بھگوان اُسی دم ہوئے پیش نظر آ تھا۔
معدوم تھے سب اُس کی کرپا سے غم و افکار

بھگوان دیالو ہیں خود بھگتوں کے نگہبان　　ارجن کے بنے فرطِ محبت سے وہ رتھبان
دل کھول کر رن بھومی میں ہی اسکو دیا گیان　　وہ گیان کہ جس سے بڑھی دنیا میں ہے شان

ارجن کو ہوئی راحتِ جاوید میسر
دایم وہ رہا کرشن کی شفقت سے مفتخر

ع راج کماری میرا

میرا کے دل و جان میں فقط کرشن سمایا　　بھگتی میں اُسے کرشن ہر اک سو نظر آیا
نظر آتی اُسے سانپ میں بھی کرشن کی چھایا　　امرت بنا وہ زہر کہ تھا اُس نے جو کھایا

وہ مست محبت تھی وہ تھی پیکر آنند
کرتے ہیں سب اس پریم کی دیوی کو نمسکار

بھگت سور داس، " تلسی داس، چیتن مہا پربھو

وہ سور وہ تلسی وہ کبیر اور وہ چیتن　　جیون ہوا جن کا فقط اک پریم کے ارپن
بھگتی کے وہ دلدادہ وہ تھے پریم کے مخزن　　اُن سے ہی ہر اک وادئ پُرخار تھی گلشن

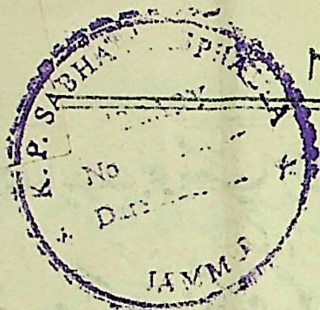
اس طرح سے بھگوان کو بھگتوں نے جگا دیا
اور پریم کا سنسار کو سندیش سنایا

اب پریم سے خالی ہے فقط گیان کا چرچا　　بُو باس سے خالی ہو جوں گلدستہ زیبا
دیاکھیانوں کی بہتات سے ہر سو ہے تماشا　　کانوں کے پھٹے پردے کہ وہ شور ہے برپا

پر عشق حقیقی یہاں ہر دل سے نہاں ہے
اب پریم کا وہ سوز وہ انداز کہاں ہے

خاموش سفیر ایک ہی رستہ پہ تو اب چل　　نزدیک ترے آ گیا اب وقت چلا چل
سب مُعقدۂ دل کا سنسار میں ہے ایک فقط حل　　یہ حل ہے وہ جس پہ ہیں سب اہل نظر مائل

بھگتی ہے بس بھگوان کی اکسیر جہاں میں
مکتی کی یہی ایک ہے تدبیر جہاں میں



بھجن

دیو کی نندن تیری تصویر زیبا ہے کبھی
جان و تن اپنا نچھاور کرتی تھیں سب گوپیاں

ہر دلِ شیدا میں تیرے حُسنِ دلکش کی تھی یاد
آنکھ میں تیرا تصوّر نام تھا وردِ زباں

ہر طرف سے پریم و اُلفت کا تھا دریا موج زن
ہر زباں پر تھا دل افزا کارناموں کا بیاں

تیرے نغموں کے اثر سے رنج و غم معدوم تھا
چار سو یکساں نظر آتا تھا فرحت کا سماں

بنسری کی دُھن میں مستِ بادہ اُلفت تھے سب
خود فراموشی میں تھا کس کو غم سود و زیاں

تیرے قدموں سے بیاباں رشکِ گلشن تھے تمام
تیرے حُسنِ جانفزا سے دشت تھے رشکِ جناں

جھومتے اشجار تھے اور رقص کرتی تھی صبا
ساتھ جب گوؤں کے ہوتے بنسری لیکر رواں

راست جب سے چل رہی تھی ماند سے گوالوں کی فوج
چاند کے ہمراہ جیسے محفلِ سیارگاں

آپ کی ہر چال سے پیدا تھی شانِ دلبری
اور ہر انداز سے تھی شانِ محبوبی عیاں

اپنی مایا سے جو دُنیا میں ہوا خود جلوہ گر
اُس کے حُسن و زینت و عظمت کا کیا کچھ ہو بیاں

آتما بنکر تنِ خاکی میں گل میں رنگ و بُو
تازہ گی گلشن میں مہر و مہ میں نورِ ضو فشاں

جس کی ہستی سے ہے قایم ہا ہستئ ارض و سما
ذرّہٴ انوار ہے جس کے نمونہ ہے جہاں

وُہ سراپا نورِ حق وہ منبعِ دریاے حُسن
پریم کا اوتار تھا شیدا تھیں اُس پر گوپیاں

ساتھیوں کے امتحانِ طرزِ اُلفت کے لیے
ہو گئے اِک بار موہن اُن کے آنکھوں سے نہاں

جُستجو میں چھان مارے گوپیوں نے چار سو
دشت و کوہسار و بیاباں پر نہ ہاتھ آیا نشاں

چاند اور تاروں سے کرتی تھیں وہ استفسارِ حال
ہر گل و اشجار سے کرتی تھیں حال اپنا بیاں

نازنیں پیروں میں کانٹے چُبھ گئے چھالے پڑے
فرطِ غم سے اشکِ خونیں دیدہٴ تر سے رواں

چاندنی میں گل کے سایہ پر تھا دو کھا کرشن کا
ہر شجر پر کرشن کی صورت کا پیدا تھا گُماں

نم تھیں آنکھیں مضطرب دل لرزہ بر اندام تھا
خامشی تھی یاس میں ناکام تھا حرفِ زباں

حد سے بڑھکر بھی تجسس سے نہ تھا تسکین نصیب
حسرت افزا تھیں نگاہیں سب کی سوئے آسماں
ماہر رازِ حقیقت کرشن جھٹ پیدا ہوئے
جیسے شیداؤں میں اپنے وہ بھی تھے دل کر دواں
ماہ کامل جیسے پیدا ہو شبِ دیجور میں
دشتِ فرقت میں پیارے کرشن کو دیکھا عیاں
مل گیا گویا گدائے بینوا کو گنج زر
عارض تر کرشن کا جب دیکھتی تھیں گوپیاں

کرشن کی فرقت میں اب بھی بیقراری ہے وہی
کرشن درشن کی تڑپ میں آہ و زاری ہے وہی

دروپدی کے سر پہ جب آفت کا ٹوٹا تھا سماں
کھینچکر محفل میں لائے تھے اُسے اہلِ جفا
چار سُو ہنگامہ آرا تھی بداندیشوں کی بزم
اور دریودھن بُرے افعال کا تھا رہنما
حسرت افزا مہ جبیں کی صورتِ معصوم تھی
خوشنما کومل تھی گویا بستۂ دامِ بلا
اک طرف تھی بیکسی اور پاسِ عزت اک طرف
سینہ سوزاں اک طرف اور لب پہ آہِ نارسا

عارضِ گلگوں پہ ڈھلتے اشک کے موتی تھے یوں
برگِ گُل پر قطرۂ شبنم چھلک جیسے چوں صبا
صدقِ دل سے کرشن جی کا من میں تب باندھا خیال
اور یوں کہنے لگی اے داورِ ارض و سما
میری عزت دو گھڑی تک خاک میں ملنے کو ہے
اس مصیبت سے مفر ممکن نہیں تیرے سوا
سرنگوں میرے نگہباں محوِ خاموشی ہیں سب
میرے حالِ زار پر خنداں ہے دشمنوں کی سبھا
المدد وقتِ مددگاری ہے اے بھگوان آج
دیکھ میری عاجزی اور لاج رکھ عزت بچا
تو ہی تو ہے جس پہ قائم ہے میرے دل کی اُمید
قُلزمِ غم سے بچا اب مجھ کو بن کر ناخُدا
وہ محیطِ جزو و کُل سری کرشن بھگتوں کے شفیق
ہرِ امداد آ گئے سُن کے یہ حمد و ثنا
اپنی شکتی سے بڑھاتے دروپدی کے پیرہن
ایک ہی دھوتی درازی میں ہوئی لا انتہا
زورِ بازو کھینچنے والے کا رخصت تھا تمام
غرق تھے بحرِ تحیر میں خرد نا آشنا

دروپدی کو اِک نگاہِ لطف سے بھگوان نے
کر لیا چشمِ زدن میں بندِ کلفت سے رہا

ہو چکا ہے جس کا من آلائشِ دُنیا سے پاک
یاد میں مشغول ہے بھگوان کے صبح و مسا

پھر کسی آفت کا ڈر اُس کے مقدر میں نہیں رہا
دھیان سُمرن ایک ایشور کا ہے ردِ صد بلا

کرشن مسجودِ جہاں ہے کرشن ہے عاجز نواز
سرکشوں کے واسطے ہے کرشن پیغامِ قضا

شاہ دریودھن کی دعوت کب ہوئی منظورِ دل
جب بدر جی کا سُنا اُلفت سے عرضِ مدعا

نعمتِ شاہی پہ سوکھے ساگ کو ترجیح دی
ہر کوئی تھا پریم کے اوتار کا مدحت سرا

کرشن کے پاس آیا دریودھن کہ تھا آغازِ جنگ
اور ارجن بھی ہوا بھگوان کے آگے کھڑا

تھی مدد کی آرزو تب کرشن جی نے یوں کہا
میں ہوں میری فوج ہے اب چُن لو حسبِ مدعا

فوج دریودھن نے نہ فہم و عقلمندی سے چُنی
کرشن واحدِ ذات کو ارجن نے برتر سے دیا

خاک میں مغرور دریودھن ملا اور اُسکی فوج
پانڈووں نے پالیا پہلا سا شاہانہ عروج

بھجن

اے جانِ جہاں اے راحتِ جاں گوپی پریہ گردھر منموہن
یہ پران میرے یہ تن من دھن تجھ پر ہیں نچھاور منموہن
دِل پر نہ فراق کا رہتا اثر گر خواب میں ہی تو مل جاتا
مُدت سے بھٹکتا پھرتا ہوں تیرے لئے دردر منموہن
تم مالک ہو بھگوان ہو تم تم پران میرے ہو جان ہو تم
مسجودِ اہلِ جہاں ہو تم اے پریم کے ساگر منموہن
توقیر محبت افزوں ہو گر اپنے حقیقی شیدا کو
اِک بار چھب اپنی دکھلا دے بھگتوں کے مہیشور منموہن
طوفانِ تمنا ہیں یہ جاں ہے جسم سے خالی ہونے کو
جب باغ حیات مٹے پھر کب درشن ہو میسر منموہن
تم بھگتوں کے رکھوالے ہو ناخیر نہ کر اے مالکِ دل
آجا غمِ فرقت سے چھوٹا شفقت کی نظر کر منموہن

نا محرم شعر و سخن ہے سفیر یہ پریم کے پھول ہیں چرنوں میں
لاکھوں ہی لکھا کرتے ہیں تیری توصیف سخنور مضموں میں

بھگوان کرشن کی یاد

مجھے ہے کرشن کنہیا کی یاد دل میں سدا — وہی ہے خالق کون و مکان و ارض و سما
وہی ہے دولتِ جاوید و منزلِ مقصود — وہی ہے خانۂ دل میں مکین و ذاتِ خدا
وہی ہے عالم و معلوم و علم و راحتِ کل — وہی ہے رازِ حقیقت محیطِ کل یکتا
وہی ہے نور و سرور اور وہی ہے راحتِ جاں — اسی کے تابع فرمان ہے بقا و فنا

اسی کے دھیان سے دل کا غبار مٹتا ہے
اسی کی ذکر سے سب انتشار مٹتا ہے

اسی کے حسن کی گلشن میں جلوہ آرائی — اسی سے سرو چمن کو ملی ہے رعنائی
اسی سے مہر و مہ و انجم فلکِ تاباں — وہی تماشہ ہے دنیا کا وہ تماشائی
اسی کے گیان میں گیانی ہیں رات دن سرشار — اسی کے در پہ بھگت کرتے ہیں جبیں سائی
وہی مراد دو عالم وہی ہے جائے سجود — اسی کے دید کے عارف ہیں سب تمنائی

اسی کے دھیان میں یوگی کو لطف حاصل ہے
جو اس کی یاد سے غافل ہے عین غافل ہے

میرے من

میری بھی سن دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
یہ خود سری تری غفلت کے ما سوا کیا ہے

تو عمر بھر سے ہے حرص و ہوس کا سودائی
کبھی نہ سوچا روا کیا ہے نا روا کیا ہے

تھپیڑے ہیں کھا کے زمانے کے گرچہ لاکھوں بار
روش نہ بدلی ترا اس میں مدعا کیا ہے

تجھے بھی تیری بدولت ملی ہے رسوائی
وگرنہ عیب ہے کیا مجھ میں اور خطا کیا ہے

میں تجھ سے آج سب افشائے راز کر دوں گا
تجھے علیمِ نشیب و فراز کر دوں گا

تجھے ہے علم کہ دنیا ہے خواب کا منظر
بدلتے رہتے مناظر ہیں لاتعد دم بھر

کسی بھی شے کو میسر نہیں ثبات و قیام
ابھی جو ہے گلشن رضوان ابھی ہے نارِ سقر

جو کل تھے رئیس تخت نشیں گدا ہیں آج
گدا جو کل تھے وہ ہیں مالدار و صاحبِ زر

کبھی ہے حالتِ طفلی کبھی جوانی ہے
کبھی عصا کے سہارے ہے سالخوردہ بشر

کبھی نسیم بہار اور کبھی سموم خزاں
غرض غضب کا دو رنگ ہے مقام جہاں

تمہیں ہے شوق کہ دولت کی ہو فراوانی
کہ پوری ہوں تری سب خواہشات نفسانی

مگر نہ بھول کہ دولت ہے چند روزہ بہار
کچھ اعتبار نہ اس کا ہے آنی اور جانی

مثال برق چمکتی ہے دو گھڑی کے لیے
گر ابھی آج ہے کل بنتی ہے یہ سب لے فانی

یہ ملتی اتنی ہے جتنی کہ ہو مقدر میں
ہوس ہے اس کا عبث باعث پریشانی

نہ خواہشات کے افراط کا ہے حد و حساب
شمار میں نہیں آتے ہیں بحر دل کے حباب

اگر غلام رہے خواہشوں کا فرد بشر
تو زندگی کا اسے مرحلہ ہے نازک تر

ہمیشہ دہر میں حرماں نصیب اپنا ہے
غلام دل کا جو بن جائے دل بہ افسر

یہ خواہشات بشر کے لیے ہیں جاں کا عذاب
جو ایک پوری ہوئی دوسری ہے پیش نظر

غلام دل سبھی دنیا میں تشنہ کام رہے
مٹے جہاں سے سکندر نپولین ہٹلر

بدلتی دُنیا کے لذات ہیں ہے رسوائی
ملے ہیں خاک ہیں اب تک سب اس کے شیدائی
بلسانِ عالم رویا ہے یہ نظامِ جہاں
پھر اس پہ اہل ہوس جان و دل سے ہیں قربان
گماں تھا سا تھ یہ دُنیا چلے گی پر نہ چلی
جنوں میں ملتے ہیں سب دستِ حسرت و ارماں
یہاں ازل سے ثبات و قرار ہے معدوم
مگر ہے ایک صداقت کا راز اس میں نہاں
زمیں سے تا بہ فلک جس قدر مناظر ہیں
فقط ہے ناظر نظارہ اک نہاں و عیاں
ثبات اس میں دوام و قرار اس میں ہے
گذر خزاں کا نہ ہو وہ بہار اس میں ہے
یہ گرچہ آنکھ سے پنہاں ہے پر ہے جانِ جہاں
یہی ہے عنصر افلاک و گردشِ دوراں
یہی ہے تابشِ مہرِ فلک مہ و انجُم
یہی رنگِ گُل و حُسنِ عارضِ خوباں
یہی ہے تازہ گیِ گلشن و بہارِ چمن
اسی سے سینۂ بلبل میں سوزِ عشقِ نہاں
یہی نظارہ یہی ناظر اور یہ منظور
اسی کا جلوہ ہے ہر سو یہی ہے خود نگراں
اسی کا گیان ہے تب ہی رستگاری ہے
وگرنہ حرصِ جہاں ذلت اور خواری ہے

پیارے دل تو ہے غور اور فکر کا عادی
یہ میں نے تجھ سے حقیقت کی بات بتلا دی
نظامِ جسم کے حرکات کا ہے تو ناظم
تمام جسم کے افعال کا ہے تو ہادی
تیرا بھلا ہے جو تو سوچ لے میری باتیں
وگرنہ ہوگی تیری کج روی سے بربادی
مدارِ راحتِ جاوید ہے فقط تجھ پر
ہے سوچنے میں تجھے ہر طرح کی آزادی
یہ خواہشات یہ حرص و غضب ہیں دشمنِ جاں
تو ان کے ترکِ تعلق سے بن شہ شاہاں

"سنسار کا انجام"

مسافروں کا ہے مجمع سرائے عالم میں
کوئی ہے مست بشاشت کوئی ہے ماتم میں
کوئی ہے زینتِ مسند کوئی ہے خاک نشین
کوئی امیر کوئی ہے معاش کے غم میں
کوئی سوار کوئی پیادہ کوئی پای شکست
کوئی گدا کوئی شاداب حشمتِ جم میں
کسی کو شوق حقیقت سے عشق روحانی
کوئی اسیر کسی بت کے کاکلِ خم میں
رواں دواں ہیں یہ سب جانبِ عدم یکساں
نہیں تمیز اجل کو یہ پیر ہے کہ جواں
غضب ہے پھر بھی یہ انساں غلامِ دنیا ہے
یہ سوچ کر بھی کہ انجام عمر کا کیا ہے
یہ مانکر بھی کہ چلتا ہے قافلہ ہر دم
یہ جان کر بھی کہ اک روز سب نے چلنا ہے
دل و دماغ ہے مدہوش بادۂ غفلت
نیا ہی دل میں امنگوں کا جوش برپا ہے
درست ہے کہ انسان اشرف المخلوق
مگر جو سمجھے فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے
تاملِ زیست کے مسئلہ کو بھول کر انساں
مطیعِ نفس رہا مثلِ خرِ نہ پالاں

سفیر پند و نصائح میں کیا تیرا مطلب

تو پہلے حرص سے مٹا لوح دل سے حرص و غضب

ہوا جو صاف تیرے دل کرشن جی کا دھیان لگا

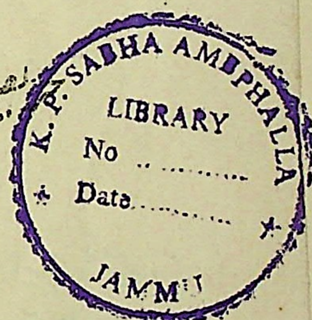
مٹیں گے اس کی کرپا سے تمام رنج و تعب

پربھو کی یاد میں کاٹی ہے جس نے عمر عزیز

پربھو سے ملتا ہے وہ کر کے ترک لہو و لعب

بس دنیا کو کیا کام رام سمرن سے

اُسے ستاتے ہیں مرنے پر اپنے ہی کرتب



جو جیسا بوتا ہے وہ کاٹتا ہے ویسا ہی

اجر ہے نیکوں کو نیکی، بدوں کو گمراہی

تمام شد

بتاریخ ۲۹ مئی ۱۹۵۶ء مطابق ۱۶ جیٹھ سمت ۲۰۱۳

فقط

To,

the Principal
[illegible] School
[illegible]

Sir,

I beg to say that I am ill. Kindly grant me leave for today

Thank you

Yours faithfully

Sheela

